

## برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ عبید الرحمن لیکچرار عربی گورنمنٹ ڈگری کالج چوہارہ (لیہ)

علوم اسلامیہ کی تعلیم و تفہیم میں عربی زبان و ادب کی اہمیت :  
عربی زبان کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو وہ قرآن، وحدیث، تفسیر، وفقہ سیرت و تاریخ، فلسفہ،  
و علم الکلام، نثر و شعر اور دواوین عرب کی زبان ہے، اور اسکے اول الذکر چھ عناوین میں دینی  
واصلاحات والفاظ ہیں، اس سے واقفیت کے بغیر ہمیں اسلام کے نظام احکام سے براہ راست  
واقفیت اور اس کے عظیم الشان علمی ذخیرہ سے جو اپنی تاریخ مساحت میں سوا چودہ برس کی طویل  
مدت اور اپنی جغرافیائی وسعت میں عالم اسلام کے وسیع و عریض رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، صحیح تعلق پیدا  
نہیں ہو سکتا، اور ہم اس سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے۔

دوسری حیثیت یہ ہے جو اگر ثانوی ہے مگر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ یہ عربی زبان  
عہد رسالت اور ابتداء اسلام میں بھی ایک زندہ زبان تھی، اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایک  
زندہ زبان رہی اور اس زمانے میں بھی ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جو تمام لسانی  
ضرورتوں کو پورا کرنے اور اظہار خیال کا ذریعہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، اور جو  
قرآن کی بدولت اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔

لہذا مسلم طالب علم اور معلم عربی زبان کے سیکھے بغیر نہ تو اسلامی علوم کی صحیح  
تعلیم حاصل کر سکتے ہیں نہ ہی کما حقہ تدریس کر سکتے ہیں، اسی وجہ سے ہر دور کے مسلم حکمرانوں  
نے اس کی اشاعت و ترویج کی طرف خاص توجہ دی بلکہ اکثر اسلامی حکومتوں میں سرکاری  
زبان عربی تھی یہاں تک کہ انگریز دور میں شعوری طور پر اپنی محکومی میں ڈالنے اور انکو اپنی  
بنیاد سے ہٹانے کے لئے عربی فارسی کو ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں، گو اپنی ان کوششوں

برصغیر پاک و ہند میں عربی وادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

میں جزوی طور پر تو کامیاب ہو گئے مگر کلی طور پر انکو ختم نہ کر سکے۔

مگر اللہ رب العزت نے ایسے صاحب کمال شخصیات ہر دور میں پیدا فرمادیں جنہوں نے علوم اسلامیہ اور دین متین کی سر بلندی، اس کی ترویج و اشاعت، حفاظت اور احیاء و تجدید میں اپنی جانیں کھپادیں، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن میں مجدد الف ثانی سے لیکر سید ابوالحسن علی ندوی تک ایسے صاحب علم و عزم افراد کی طویل فہرست شامل ہے جنہوں نے دین کی ترویج، تدوین، تحقیق اور تحفظ کے لئے بے مثال کردار ادا کیا۔

عربی زبان وادب کو نئی جہت دینے میں جس شخصیت نے بنیادی اینٹ کا کام کیا وہ سید ابوالحسن علی ندوی ہیں کہ انہوں نے برصغیر میں مسلم اقتدار کے زوال کے دور بلکہ محکومی کے دور میں بھی اسلاف کی تابندہ روایات کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لئے ایسا کردار ادا کیا، جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

عربی زبان اور ادب کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ادب لغوی اور اصطلاحی دونوں اعتبار سے فضائل کا ترجمان ہے، اخلاق فاضلہ، صفات حسنہ، شائستگی اور خوش خلقی سے اس کا خمیرہ اٹھتا ہے، عیوب سے اجتناب کا ملکہ اس کی بدولت پروان چڑھتا ہے، اور اس کا ایک ایک لفظ تہذیبی اطوار کا عکاس ہوتا ہے، یہ ”ادب“ فکر و نظر میں نکھار پیدا کرتا ہے، اور عمل کو سنوارتا ہے، اس سے سوچ کے دھارے، آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں، اور تفکر و تدبر کی جو نگاہ نئی وسعتوں سے ہمکنار ہوتی ہے، شعر و نظم کا میدان ہو یا غزل و آزاد و نظم کا ناول نگاری کو ادبی تخلیقات کا عنوان بنایا جائے، یا افسانہ نگاری میں طبع آزمائی کی جائے، علوم دینیہ میں کسی ایک پر قلم اٹھایا جائے، یا امت کے اجتماعی مسائل کو غور و فکر کا محور بناتے ہوئے عملی راہیں سمجھائی یا تراشی جائیں، ان سبھی کاوشوں میں کہکشاں کے مختلف رنگ جلوہ گر ہوتے ہیں، وہی کہکشاں ادب جس میں انسانی زندگی کے لاتعداد گوشوں کا پرتو جھلکتا ہے۔

”عالمی رابطہ ادب اسلامی“ کے بانی حضرت مولانا ابوالحسن ندوی ”کا روان ادب

“لکھنو کے پہلے شمارے کے لئے اپنے پیغام میں رقم طراز ہیں۔

”دبستان ادب کے ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ادب

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

کی سب سے پہلی زیارت جو نصیب ہوئی وہ آسمانی صحیفوں میں نصیب ہوئی، ادب کہاں تھا لیکن جب خدا نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کو زبان دی، اور ان پر معانی کے ساتھ الفاظ وارد کیے تو معلوم ہوا کہ ادب اسے کہتے ہیں۔

اسی پیغام میں ادب اسلامی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

”ادب، ادب ہے خواہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفے میں ہو، شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور قبول کرے۔“

اہل علم اصحاب تقویٰ و ورع، اور وہ جملہ یگانہ روزگار شخصیات بلا شبہ اس اعزاز کی مستحق ہوتی ہیں، کہ ان کے اخلاف انکے حضور اپنے جذبات و عقیدت کی سوغات پیش کریں، اور انکی علمی تحقیقی، اصلاحی و فلاحی نقوش کو منظم و مربوط شکل میں آنے والی نسلوں کے لئے اہتمام کے ساتھ محفوظ کر لیں، الحمد للہ مسلم دنیا کے علم نے اس روایت کو دوام بخشا اور اکابرین امت کے کمالات علمیہ اور زہد و تقویٰ سے مزین زندگیوں کو قرطاس و قلم کے ذریعہ کمال احتیاط کے ساتھ محفوظ کر لیا۔

راقم الحروف کے والد صاحب عربی زبان و ادب کے مجھے ہوئے استاد ہیں، اور بچپن میں اکثر و بیشتر ان کی زبان مولانا علی میاں کے تذکرے سننے کو ملے، اور انکی ذاتی لائبریری میں مولانا کی اکثر کتب موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ کئی عربی کتب کے ناموں سے آشنائی بچپن ہی میں ہو چکی تھی، بعد ازاں جب راقم الحروف کو عربی زبان و ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تو اس تجسس اور شوق میں مزید اضافہ ہوا، اور یوں مولانا علی میاں کی کتب و تصانیف کو براہ راست پڑھنے کے سلسلے کا آغاز ہوا جو تا دم تحریر جاری ہے۔

مولانا مرحوم کا امتیازی وصف، وسیع علم، کثیر المطالعہ، اور کثیر التصانیف ہونے کے ساتھ اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے ان کا سوز و رونا اور انکی للہیت و اثابت الی اللہ تھی، مولانا مرحوم علمی شغف رکھنے والے، متواضع، منکسر، سادہ اور بلند حوصلہ، زاہد اور مستغنی عن الخلق

صاحب عزم و ہمت فکری اور عملی انسان تھے۔

مولانا کی طویل عملی زندگی کے اور بھی متعدد پہلو ہیں، ان کی حیات و تالیفات پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے، کہ آپ بیک وقت مفکر، مدرس، محقق، فقیہ، مترجم، ادیب اور دانش ور تھے، اور ساتھ ہی ایک بڑے پائے کے داعی اور مصلح بھی تھے۔

موضوعات کی ہمدردی کے باوجود جو خوبی ان سب میں مشترک اور نمایاں ہے وہ انکا ادیبانہ اور انشاء پر ازانہ رنگ ہے، جو انکی جملہ تحریروں میں بہت ابھرا ہوا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تمام شہرت اور مولانا کی خدمات کے تذکرے کے باوجود عربی زبان وادب میں ان کی خدمات کو نمایاں حیثیت نہیں دی گئی، زیر نظر مقالہ میں اسی موضوع پر ان کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

### مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا مختصر سوانحی خاکہ:

مولانا کا نسب مختلف واسطوں سے ہوتا ہوا سیدنا حضرت حسنؓ سے جا ملتا ہے، آپ کے جد امجد عبداللہ بن محمد، النفس الزکیہ وہ پہلے شخص تھے جو عہد عباسی میں سندھ وارد ہوئے، شاہ علم اللہ مشہور معروف صوفی بزرگ، اور سید احمد شہید جنہوں نے انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں صوبہ سرحد کو سکھوں کے تسلط سے آزاد کروایا تھا، آپ کے اجداد میں شامل ہیں۔

سید احمد شہید کی شہادت کے تراسی سال بعد اس خاندان میں وہ بچہ پیدا ہوا جس کا نام علی رکھا گیا، اور جس نے بڑے ہو کر اس خاندان کا نام نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم میں روشن کیا، یاد رہے کہ مرحوم علی میاں کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں مولانا علی میاںؒ کے والد حکیم عبدالحی، اور آپ کے والد مولانا فخرالدین کثیر التصانیف عالم اور ادیب تھے، آپ کے والد نے فصیح و بلیغ عربی زبان میں متعدد کتابیں لکھیں، جن میں ”نزہۃ الخواطر“ سب سے زیادہ مشہور اور ضخیم ہے، اس کے علاوہ ”الثقافة الاسلامیة

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

فی الہند، اور ”الہند فی العهد الاسلامی“ بھی معروف کتب ہیں۔

1۔ ولادت اور تعلیم و تربیت:

آپ کی پیدائش ۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ ہجری بمطابق ۲۵ نومبر ۱۹۱۴ عیسوی میں ہوئی، ۹ سال کی عمر میں آپ کے والد محترم راہی ملک عدم ہوئے، آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، آپ کی تعلیم و تربیت میں آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی اور آپ کی والدہ محترمہ کو بھی بہت عمل و دخل ہے۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اور ساتھ ہی عربی کی تعلیم بھی بچپن میں شروع ہو گئی تھی، صرف، و نحو کی بعض معروف کتب بعض لائق بزرگوں سے پڑھی تھیں، مولانا کو ابتداء ہی سے ادب و انشاء سے دلچسپی تھی، آپ کی باقاعدہ عربی کی تعلیم کا آغاز خلیل بن محمد عرب سے کے پاس ہوا، اور آپ نے ان سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا، عربی ادب اور بالخصوص عربی شعر کا عرب صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بے نظیر فطری ذوق بخشا تھا، خالص عربی لہجے میں اس طرح قصائد پڑھتے کہ انکا نقش ذہنوں میں بیٹھ جاتا۔

ادب میں شیخ خلیل عرب کا ایک مجتہدانہ نصاب تھا، جو ہندوستان میں بالکل نیا تھا، انہوں نے مبادی صرف اور تحریر و انشاء کی مشق کے ساتھ مصر، بیروت کے سلسلہ قراءت، ”مدارج القراءة“ کے بعد، ابن المقفع کی ”کلیلة و دمنہ“، ”مجموعۃ النظم والنثر“، ”نہج البلاغہ“ حصہ نظم و نثر میں ”حماسہ“، اور المعری کی ”سقط الزند“، اور ”دلائل الاعجاز“ للبحر جانی بڑے ذوق و شوق سے نیز مختصر تاریخ ”ادب اللغۃ العربیۃ“ پڑھائی، عربی کے قواعد اور زبان کی عملی مشق کرائی، اس تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ صرف عربی زبان و ادب کی تعلیم تھی، اور وہی اوڑھنا بچھونا وہی مقصد حیات اور وہی ذوق طبع، شیخ خلیل عرب کا یہ ذوق مولانا مرحوم میں کمال و تمام منتقل ہوا۔

عرب صاحب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اپنے منتخب و محبوب مصنفین اور انکی تصانیف کو زبان و ادب اور طرز ادا کا واحد نمونہ اور ادب و ذوق کا منتہی بنا کر پیش کرتے تھے۔ نثر میں ابن المقفع اور جاحظ، ذوق نقد ادب اور سخن فہمی میں عبد القادر جرجانی،

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

شعر میں منتہی اور بختری ان کے منتخب لوگ تھے، مولانا ندوی نے بھی اس دور میں ابن المقفع اور صاحب نصح البلاغ نے کبھی کبھی جرجانی کی تقلید میں لکھنے کی کوشش کی، یہ تاثر ان کی تحریروں میں بھی قائم رہا، مولانا اسی جذبہ و شوق کے تحت ادب و نثر کو اپنی میراث سمجھتے تھے، اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کبھی باک محسوس نہیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اپنے استاد کی ہمت افزائی سے کبھی کبھی ان صاحب طرز انشاء پردازوں کے بعض جملے اور تعبیریں اپنی تحریروں میں نگینہ کی طرح جڑ کر انعام حاصل کیا، اس تعلیم کے انتہائی مرحلہ پر شیخ عرب نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو مصر کے مشہور صاحب طرز ادیب سید مصطفیٰ لطفی المنفلوطی کی کتاب ”المنظرات“ پڑھنے کو دی، بایں وجہ منفلوطی کی سحر نگاری آپ کے دماغ و تخیل پر چھائی رہی۔

آپ نے حدیث اور اصول حدیث کی تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علمی ماحول میں معروف اساتذہ حدیث سے حاصل کی، اصول حدیث، متن حدیث اور شرح حدیث میں براہ راست مصادر اصلہ کو پڑھا کر ”نیل الاوطار“، ”تنقیح الانظار“، ”توضیح الافکار“، ”الجوہر النقی“، ”شرح مسلم“ اور ”فتح الباری“ جیسی امہات کتب زیر مطالعہ رہیں۔

۱۹۳۰ء میں شیخ خلیل عرب کی تجویز اور ڈاکٹر عبد العلی کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ میں تدریس ادب کے لئے فاضل و محقق صاحب زبان مراکشی عالم شیخ تقی الدین الہلالی تشریف لائے جن کے بارے میں مولانا ندوی خود رقمطراز ہیں۔

”جن کو اگر نہ دیکھا ہوتا تو عربی زن و ادب کے بہت سے مبادی و بدیہیات، زبان کی تعلیم کے بہت سے حقائق و اصول نظر سے ہمیشہ اوجھل رہتے، اور عجمیت و ہندیت کے اثر سے کلید آزادی نصیب نہ ہوتی، ان کو اگر نہ دیکھا ہوتا تو قرن ثانی و ثالث کی زبان کو مردہ اور صرف کاغذ کے نقش و نگار سمجھتے، اس ایک شخص میں سلف کی احتیاط اور علمی تورع (عدم تحقیق کی حالت میں بے تکلف لا اداری کہہ دینا) مغرب اقصیٰ خصوصاً اہل مشنقیط کا حفظ و استحضار، اہل لغت کا اتقان، علمائے نحو کی پختگی اور اہل زبان کی شیریں نوائی، اور خوش گفتاری جمع تھی، بات کرتے تھے تو منہ پھول جھڑتے تھے، ہر جملہ ادب کی جان ہوتا تھا،

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

جسکو آدمی جس ادب کی جس کتاب کے حاشیہ پر لکھ دے، میں نے ”اغافی“ اور ”جاہظ“ کی کتابوں کی زبان بولتے ہوئے ان کے سوا کسی کو نہیں سنا، جو لکھتے تھے وہی بولتے تھے، اور جو بولتے تھے وہی عربی زبان کا روز مرہ کا محاورہ ہے۔“

یہ زمانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بہار کا تھا، اور مولانا ندویؒ کو مولانا ہلالی جیسے استاد میسر تھا، اسی زمانہ میں مسعود عالم ندوی کے رسالے ”الضیاء“ کے ساتھ ساتھ، مصری، عراقی، اور مراکشی جرائد و رسائل اور اخبارات کا مطالعہ شروع کیا، اس مطالعہ اور اخبار بینی سے مولانا مرحوم کو تعبیر اور اظہار خیال میں بہت قدرت حاصل ہوئی۔

امیر شکیب ارسلان اور عبدالرحمن الکوئی کے افکار سے تاثر کی کیفیات تا دیر قائم رہیں، سال دو سال کی پرائیویٹ عربی و انگریزی تعلیم کے بعد ۱۹۲۶ء میں آپ کا داخلہ لکھنؤ یونیورسٹی کی فاضل ادب (عربی) کی کلاس میں ہوا، اس وقت مولانا کی عمر صرف تیرہ سال تھی، اس وقت میں سب سے کم عمر آپ ہی تھے، مولانا کی اعلیٰ منظم تعلیم اسی لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل ہوئی، جہاں انکے محبوب و شفیق ذاتی استاد خلیل عرب صاحب عربی ادب کے پروفیسر تھے۔

۱۹۲۹ء میں فاضل عربی سے فراغت کے بعد مولانا نے ۲ سال تک حدیث و فقہ پڑھی، مشہور محدث مولانا حیدر حسن خان سے حرفاً، ”صحیح بخاری“، ”صحیح مسلم“، ”سنن ابی داؤد“، اور ”جامع ترمذی“ پڑھیں، بعد کے سالوں میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا حسین احمد مدنی سے تفسیر و حدیث میں استفادہ کیا جو ایک اعزاز سے کم نہیں۔

۱۹۳۰ء بمصر ۱۶ سال آپ نے سید احمد شہید کے متعلق محی الدین قصوری کے ایک مضمون کا عربی میں آزاد ترجمہ کیا، یہ اپنی عمدہ عربیت کے باعث سید رشید رضا مرحوم کے رسالہ ”المنار“ میں اشاعت کے قابل سمجھا گیا۔

2- درس و تدریس اور عالم عربی سے روابط:

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا کو ایسا ماحول ملا جس کی بدولت ان کی ادبی، تمدنی، دعوتی اور اصلاحی صلاحیتوں کو بھر پور پروان چڑھنے کا موقع میسر ہوا۔

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

۱۹۳۴ء میں بیس سال کی عمر میں مولانا ندوۃ العلماء میں عربی ادب و تفسیر کے استاد مقرر ہوئے، منطق اور تاریخ اسلامی کے دروس بھی آپ ہی کے پاس تھے، علامہ اقبالؒ، سید مودودیؒ، اور مولانا الیاس کاندھلویؒ کی دینی دعوت سے تعلق بھی ان کی زندگی کے نمایاں پہلو ہیں۔

۱۹۴۷ء تقسیم ہند سے قبل اپنے پہلے حج کے دوران ۶ ماہ حرمین شریفین میں مقیم رہے، وہاں کے علماء سے ربط و ضبط پیدا ہوا، اور اپنی زیر تصنیف کتاب ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ کے لئے عربی کتابوں، مجلات اور رسائل سے مزید معلومات جمع کیں۔

۱۹۵۰ء میں اپنے مرشد شاہ عبدالقادر رائے پوری کے ساتھ حج کیا، اس عرصہ میں حجاز مقدس میں قیام کے دوران میں مولانا کا تعلق یہاں کی اعلیٰ علمی و ادبی شخصیات سے ہوا، اگلے چند برسوں میں مصر، دمشق، اردن، اور فلسطین کے اسفار کیے، یہ سفر اس اعتبار سے نہایت اہم تھے کہ آپ کی کتاب ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ مصر میں ۱۹۵۰ء میں چھپ چکی تھی، اور اس کے ذریعے اہل علم اور تحقیق کے حلقوں اور دینی تنظیموں میں ان کا اجمالی تعارف ہو چکا تھا، مصر میں اور پھر شام میں سارا عالم عرب اپنی تمام تر علمی بلندیوں اور مادی رعنائیوں کے ساتھ سامنے تھا، مولانا کی ملاقات تمام بڑی علمی ادبی اور دینی شخصیات سے ہوئی، یونیورسٹیوں میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نیز بہت سی دینی و اجتماعی تنظیمات و تحریکات ”اخوان المسلمین“ قاہرہ یونیورسٹی میں ان کی تقریریں ہوئیں، اخوان تو ان کے ایسے گردیدہ ہوئے کہ وہ مولانا کا اپنے ہی ایک مرشد کی طرح احترام کرنے لگے۔

مولانا کی طویل سفر کی ڈائری ”مذاکرات سائح فی الشرق العربی“ کے نام سے مصر میں

چھپی۔

3- عربی زبان و ادب کی ترویج و فروغ میں مولانا علی میاں کی خدمات:

ذیل میں مولانا کی وہ خدمات جلیلہ پیش کی گئی ہیں کہ ان کا اگر ذکر نہ کیا جائے، جیسا کہ اکثر مضامین میں ان کی اس خوبی و صلاحیت اور طرہ امتیاز سے نسبتاً غفلت



برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

برتی گئی ہے، تو مقالہ لکھنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، جبکہ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں ان کا یہ پہلو ان کی زندگی پر غالب ہے۔

(الف) زبان و ادب میں فرق:

مولانا مرحوم شیخ تقی الدین الہمالی جیسے فاضل ویگانہ روزگار اساتذہ سے کسب فیض کیا ، ہلالی صاحب سے عربی ادب و شعر کی کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی صحبت اور مجالس رفاقت بھی آپ کو میسر رہی، انہی افادات کے زیر اثر آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ زبان اور ادب میں فرق ہے، زبان وہ ہے جو ادب کی بنیاد ہے، ادب خیالات کے اظہار کا بلند فنی، اور ترقی یافتہ ذریعہ ہے جو تمدن و تخیل کی ترقی سے پیدا ہوتا ہے، زبان کی تعلیم و تربیت ادب کی تعلیم پر مقدم ہے۔

آپ کے خیال میں ہندوستان میں زبان کے دھوکہ میں اور عربی زبان کے نام سے اعلیٰ ادب کی تعلیم دی جا رہی ہے، جو اکثر اوقات بے بنیاد ہے، اور بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے۔ اپنے استاد کی فکر کے تحت آپ ”پہلے زبان بعد میں ادب“ کے اصول کے پرچارک تھے، نیز زبان کو انسانی زبان کی طرح بغیر ترجمہ کی مدد کے پڑھانے پر مصر تھے۔

(ب) صرف و نحو کے قواعد اور زبان کی تشکیل:

شیخ ہلالی کے زیر اثر آپ کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ صرف و نحو کے قواعد زبان کی تشکیل کے اصول ہیں، جن کا درجہ زبان کے بعد ہے، آپ خود لکھتے ہیں ”زبان کا ذخیرہ اگر کچھ نہ ہو تو صرف و نحو کے قواعد بے کار ہیں، مفردات، الفاظ و جمل مکان کی اینٹیں ہیں، اور نحو کا علم اصول تعمیر کے قواعد اور انجنیری کا فن، اگر سرے سے اینٹیں ہی نہ ہوں تو انجینئرنگ کے اصول تعمیر کا بڑا علم ناکارہ اور فضول ہے۔

مولانا اعلیٰ میاں نے جہاں عربی زبان میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، وہاں ایک معلم اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس کے لئے وقف ادارے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے عربی زبان کی تدریس کے لئے نصابی کتب مرتب کیں، اسی سلسلہ میں ”مختارات“، ”قصص النبیین“، اور ”القراءة الراضدة“ وہ معروف و مفید درسی کتب ہیں جو برصغیر پاک و ہند کے مدارس ہی نہیں بلکہ عرب میں بھی اپنی افادیت کا لوہا منوا چکی ہیں۔

عربی زبان کی تدریس کے لئے اولین کتاب ”مختارات“ کے بارے میں مولانا خود تحریر

فرماتے ہیں:

”مجھے سب سے پہلے عربی نثر و ادب کے ایسے مجموعے کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا، جو قرن اول سے لیکر عصر حاضر تک کے اعلیٰ ادبی نمونوں پر مشتمل ہو، اور جو صحیح و قافیہ، تصنع و تکلف سے آزاد، دلی جذبات، صحت مند خیالات، اور صالح مقاصد کا آئینہ دار ہو، اور جو عربی زبان کا صرف ایک ہی رنگ و آہنگ (جس کا مثالی نمونہ ”مقامات حریری“ ہے جو ہندوستان کے علمی اور درسی حلقوں میں چھ سو برس سے حکمرانی کرتی رہی ہے، اور عربی تحریر کا واحد نمونہ ہے) پیش نہ کرے، اس بنیادی خیال کیلئے جو ابتدا میں ”مختارات“ کی تالیف کا محرک بنا، اور پھر اس کی بنیاد پر ”منثورات“ از مولانا محمد رابع ندوی اور بعض دوسری کتابیں لکھی گئیں۔“

آپ کی مرتبہ درسی کتب کی بدولت برصغیر میں عربی کا ذوق پیدا ہوا اور عربی انشاء و ادب سے دلچسپی میں اضافہ ہوا، اور اس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

(ج) ادب و تاریخ کا باہمی تعلق:

اس بارے میں مولانا خود رقمطراز ہیں ”ہلائی صاحب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ زبان کا بہترین نمونہ تاریخ کی مستند کتابیں اور عہد عباسی کے ادباء کی غیر مصنوعی تصنیفات ہیں، اس کے لئے انہوں نے ابن قتیبہ کی ”الامامہ والسیاسة“، ابن المقفع کی ”کلیلہ و دمنہ“، ابو الفرج الاصفہانی کی ”کتاب الاغانی“، اور جاحظ کے رسائل کی سفارش کی۔

ادب کے اس باہمی تعلق و نسبت کا اظہار مولانا کی تصانیف سے عیاں ہے، مختلف ادوار شخصیات کے تاریخی تجزیوں میں آپ نے ادبی پہلوؤں کو نظر انداز نہ کیا، ہر عہد کی ادبی تاریخ کو اپنی تصانیف میں جگہ دی، اور اس طرح آپ بیک وقت صاحب طرز ادیب

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

وانشاء پرداز اور مؤرخ کے طور پر سامنے آئے۔

(د) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین:

مولانا علی میاں کی ڈیڑھ سو سے زائد عربی، اردو کتب و رسائل میں ایک معتمد بہ تعداد عربی کی ہے، ان میں سے مشہور ترین تصنیف ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ ہے جو ۱۹۴۷ء میں لکھی گئی اور تین سال بعد مصر سے شائع ہوئی، اس کتاب نے سارے عالم عرب سے خراج تحسین وصول کیا، بہت سے عرب مصنفین کے بقول بیسویں صدی کی یہ سب سے زیادہ چھپنے والی عربی کتاب ہے، اب تک اس کے ستر باضابطہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، مصنف یا قانونی ناشرین کی اجازت کے بغیر چھپنے والے ایڈیشن اس کے علاوہ ہیں۔

کتاب کا ایک خاص وصف اس کا واضح اسلوب ہے، پختہ اور متین اسلوب کے ساتھ مصنف استہداد پر پوری قدرت کا مظاہرہ کرتے ہیں، کئی مقامات پر احادیث اور اشعار سے بھی استہداد لیا گیا ہے، عنوانات کا عمدہ انتخاب اور تنوع، قرآنی اور عربی تراکیب کا بہترین استعمال کتاب کے اسلوب کی نمایاں صفات ہیں، غرض یہ کتاب عالم اسلام کے مسائل پر ہندوستانی طرز فکر کا ایک اچھوتا شاہکار ہے، اس کتاب کے علاوہ آپ کی دوسری متعدد کتابوں نے بھی پورے عالم عرب سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔

(ہ) دعوتی رسائل:

مولانا نے اپنے پہلے اور دوسرے سفر حجاز و مصر سے قبل کچھ دعوتی رسائل عربی میں لکھے تھے۔ جیسے ”الی ممثلی البلاد العربیہ“ جو تقسیم سے قبل دہلی میں ہونے والی ایک ایٹائی کانفرنس کے عرب مندوبین سے ایک دعوتی خطاب تھا، اس کے علاوہ ”بین الصورۃ والحقیقۃ“ جس میں صوری یا ظاہری اور حقیقی اسلام کے فرق اور مؤخر الذکر کی قیمت و اہمیت کو انتہائی مؤثر اور دل آویز انداز میں بیان کیا گیا تھا، اس طرح دوسرے رسائل میں ”بین الجبایہ والہدایہ“، ”من غار حراء“، ”اسمی یا مصر“ وغیرہ ہیں، ان رسائل نے مولانا کو عرب میں پڑھے لکھے طبقے میں بہت محبوب

(و) کلیۃ الشریعہ دمشق میں خطاب:

۱۹۵۲ء میں مولانا نے کلیۃ الشریعہ (شرعیہ فیکلٹی) دمشق یونیورسٹی کی دعوت پر وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے وہاں دو ماہ قیام کیا، اور اسلام کی اہم دینی و فکری شخصیات پر لیکچر دیئے جو ”رجال الفکر والدعوة“ کے نام سے ۱۹۶۰ء میں دمشق سے کتابی شکل میں چھپے، اس سے قبل مولانا ”تاریخ دعوتِ عزیمت“ کی پہلی جلد لکھ کے تھے، جو دارالمصنفین سے چھپی، اور وہی دمشق یونیورسٹی کے لیکچروں کی بنیاد بنی، بعد میں یہ سلسلہ جاری رہا اور پانچ جلدوں میں مولانا نے یہ کتاب مکمل کی یہ پانچ جلدوں میں عربی زبان میں منتقل ہو کر دمشق و بیروت سے چار جلدوں میں چھپ چکی ہیں، اور اب حوالے کی کتابیں ہیں۔

(ذ) فکر اقبال کی عربی ترجمانی:

مولانا مرحوم ۱۹۳۰ء میں ”ضرب کلیم“، ”بال جبریل“، ”اسرار خودی“، ”جاوید نامہ“، اور ”بانگ درا“ وغیرہ پڑھنے کی فکر اقبال سے روشناس ہو چکے تھے، ۱۹۲۹ء میں علامہ اقبال کے آخری ایام میں ملاقات کی، اور اقبال سے شیفتگی اور فکری و قلبی تعلق میں اضافہ ہوا، مولانا مرحوم کو علامہ کے سینکڑوں اشعار یاد تھے، اور وہ اپنے ہم جماعت طلبہ کے سامنے انہیں مناسب موقع پر بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔

علامہ اقبال کی بعض نظموں کا عربی میں ترجمہ کیا، ان میں ”ذوق و شوق“، ”مسجد قرطبہ“، اور ”ابلیس کی مجلس“ شامل ہیں، ان نظموں میں اقبال کے فکر و فن کا بہترین امتزاج ملتا ہے، ”پس چہ باید“ میں علامہ اقبال نے ایک نظم ”حرف چند بامت عربیہ“ کے عنوان سے لکھی ہے، مولانا اس نظم کو بھی اپنے عرب قارئین کے سامنے پیش کیا۔

علامہ اقبال پر انہوں نے ایک کتاب ”روائع اقبال“ کے نام سے عربی زبان میں تحریر کی، یہ کتاب مقالات کا ایک مجموعہ ہے، اس کا مقصد اقبال اور فکر اقبال کو عربوں میں

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

روشناس کرانا تھا، اسی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ”نقوش اقبال“ کے نام سے شائع ہوا، مولانا ندوی نے اقبال کے حالات زندگی کی تصویر ایک ماہر مصور کی طرح کھینچی ہے، زیادہ تفصیل میں جائے بغیر اقبال اور اس اور اسکے عہد و آثار کو مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

مولانا کا ایک شاہکار ادبی مضمون ”اقبال فی مدینۃ الرسول“ ہے، مولانا ”ارمغان حجاز“ کو اقبال کے مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ کے خیالی سفر کی روداد قرار دیتے ہیں، انہوں نے ”ارمغان حجاز“ کے مختلف حصوں سے اقبال کے اس روحانی سفر کی تفصیل مرتب کی ہے، اور ہر حصہ کو بڑے دلکش بیانوں کے ساتھ دوسرے سے مربوط کیا ہے۔

(ح) اعزازات اور عالمی شخصیات سے تعلقات:

مولانا علی میاں کی انہی مخلصانہ اور درد مندانہ کاوشوں کی وجہ سے انہیں ۱۹۷۹ء میں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا، اور ۱۹۹۹ء میں حکومت دہلی نے انہیں ۱۹۹۸ء کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت قرار دیا۔

عالم عرب کی جن نامور شخصیات سے علی میاں کے قریبی مراسم تھے، ان میں ”مفتی اعظم فلسطین“، ”سید امین الحسینی“، ”اخوان المسلمین“ کے ڈاکٹر سعید رمضان“، ”سید قطب شہید“، اور ”شیخ محمد الغزالی، شام کے علامہ ”بیطار“، عراق کے ”بھجہ العصری“، حجاز کے مشہور رئیس اور عالم ”شیخ محمد نصیف“، مجمع العربی دمشق کے ”علامہ کرد علی“، اور مشہور عرب شاعر استاد ”خلیل عرب مردم بک“، مشہور محقق و ادیب عبد القادر مغربی، ڈاکٹر طہ حسین، ڈاکٹر احمد امین، ڈاکٹر مصطفی السباعی، اور سعودی عرب کے مفتی اعظم ”شیخ عبد العزیز بن باز“ وغیرہم سے ان کے تعلقات اور ملاقاتوں کا ذکر ان کی تحریروں میں ملتا ہے۔

(ط) عالمی رابطہ ادب اسلامی و دیگر نداوت کی تاسیس و تشکیل:

۱۹۶۲ء میں جب ”رابطہ عالم اسلامی“ کی مکہ مکرمہ میں تشکیل ہوئی تو مرحوم اس کے رکن اساسی قرار پائے، اسی طرح اسی سال مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

تو مولاناؒ اس کی کونسل کے رکن اساسی کی حیثیت سے لئے گئے، بعد میں ”رابطہ عالم اسلامی“ کی متعدد تنظیمیں جیسے ”المجمع الفقہی“ اور ”المجلس الاعلیٰ للمساجد“ قائم ہوئیں تو مولانا ان کے رکن منتخب ہوئے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں دمشق کے ادب عربی کے مقتدر ادارہ ”المجمع العلمی العربی“ میں ایک مقالہ پیش کیا، جس میں ادب کی اسلامیت کے تصور کو بڑے جاندار انداز میں اجاگر کیا گیا تھا، اس فکر کو عرب دنیا کے ادباء نے بے حد سراہا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسی پختگی بھی آئی، اور وسعت بھی، اس حوالہ سے سوچ کے دھارے مشکل ہوتے رہے تا اٹکہ ۱۹۸۰ء میں ایک باقاعدہ تنظیم کے قیام کے لئے ”تاسیسی کمیٹی“ کی تشکیل کردی گئی، جمادی الاخر ۱۹۸۱ء کے ادب اسلامی کے جامع موضوع کی مختلف جہات پر غور فکر کے لئے ایک بین الاقوامی کانفرنس ندوۃ العلماء لکھنؤ (بھارت) میں منعقد ہوئی، جس میں مراکش سے ملائیشیا تک کے ممتاز ادباء و نقاد نے شرکت کی، اس کے جملہ مندوبین نے اتفاق رائے سے مسلم ادب کی بین الاقوامی تنظیم کے قیام پر زور دیا، ۱۹۸۲ء میں اسلامی یونیورسٹی مدینہ من میں اسلامی ادب کے بارے میں منعقد سیمپوزیم میں ایسی تنظیم کی تشکیل کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا، اس کے کچھ عرصہ بعد امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں اسلامی ادب کے حوالہ سے منعقد ہونے والے ایک سیمینار کے شرکاء نے بھی اس فکر کو سراہا۔

مولانا مرحوم کی دہائیوں پر مشتمل جد و جہد رنگ لارہی تھی، انکے فکر کو پورے عالم اسلام میں پذیرائی حاصل ہو رہی تھی، بالآخر مرحوم کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا، اور ۱۹۸۳ء لکھنؤ (انڈیا) میں ”عالمی رابطہ ادب اسلامی“ کا باقاعدہ قیام عمل میں آگیا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اس کا پہلا تا حیات صدر منتخب کیا گیا۔

اس وقت عالمی رابطہ ادب اسلامی کے علاقائی دفاتر (المکاتب الاقلمیہ) مصر، اردن، شام، مراکش، ترکی، سعودی عرب، ہندوستان، پاکستان، بنگلادیش، اور ملائیشیا میں قائم ہیں۔

آپ عرب دنیا کی دیگر تنظیموں کے رکن اساسی یا رکن تھے، ان میں دعوت اسلامی کی ”عالمی مجلس اعلیٰ“، قاہرہ، اسلامی یونیورسٹی کی انجمن رباط، عربی اکیڈمی دمشق، عربی

برصغیر پاک و ہند میں عربی و ادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

اکیڈمی قاہرہ، شاہی اکیڈمی برائے اسلامی تمدن، اردن اور اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی مجالس اُمناء کے رکن تھے۔

(ی) عرب مجلّات و رسائل میں سلسلہ ہائے مضامین:

عالم عرب کے لئے مولانا کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے ساٹھ کی دہائی سے جمال عبد الناصر کے زمانے میں عرب قومیت کے خلاف بڑے پُر زور طریقے سے عربی مجلّات میں لکھا، اور اپنی عربی اور اردو تقاریر میں برملا اس کی مخالفت کی اور ناصر کے عرب اور ہندوستانی مریدین کی مخالفت کو برداشت کیا، دوسری خدمت اسلام پسند سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں کے مسلمانوں کی، کہ انہوں نے یہاں کے حکمرانوں کو حد سے بڑھتی ہوئی عیش و عشرت کی زندگی پر تنقید کی، اور اسی طرح یورپ و امریکہ پر سیاسی سوشلزم کے مخالف رہے، اسی طرح مغربی سرمایہ داری اور اسکی غیر اخلاقی اور معیثانہ قدروں کے بھی مخالف رہے۔

دیگر خدمات:

مختلف اور متنوع موضوعات پر متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں ہوئے ہیں، جن میں ”الارکان الاربعۃ“ کافی مبسوط اور منفرد انداز کی کتاب ہے، علاوہ ازیں ”النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن“، ”القادیانی والقادیانیۃ“، ”السیرۃ النبویۃ“، ”المرقسی“ وغیرہ شامل ہیں۔

الغرض مولانا ابو الحسن علی ندویؒ بنیادی طور پر ایک عالم دین تھے اور بلاشبہ انکی تصانیف کی ایک عالیمانہ شان ہے، ان میں حقائق کی جمع آوری ان کا تجزیہ و تحلیل اور معروضی نتائج کا استخراج ملتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اعلیٰ پائے کے ادیب بھی تھے، ان کی تحریروں میں تحقیق کی خشکی کی جگہ ادب کی جانشین ملتی ہے۔

مولانا مرحوم کی عبارت کو غامض کہنا ہندی نثر اور ہندی تہذیب سے نسبت کے بناء پر آپ کے اسلوب کی متانت اور شگفتگی کو مشتبہ قرار دینا دراصل آپ کے اسلوب کی گہرائی و گیرائی سے ناواقفیت، اور آپ ایسے صاحب کمال اور صاحب طرز ادیب کے

برصغیر پاک و ہند میں عربی وادب کی ترقی و ترویج میں سید ابوالحسن ندوی کا حصہ

حضور بڑی جسارت ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ برصغیر میں عربی زبان وادب کی ترویج و اشاعت میں آپ کی خدمات کا غیر جانبدارہ جائزہ لیا جائے، اس ضمن میں آپ نے جن منہج و طریق ہائے کار کو اپنایا یا اپنانے کی ترغیب دی، انہیں علمی دنیا میں متعارف کرایا جائے اور عصر حاضر میں سیکولر قوتوں کی کامیابی، غیر عرب مسلم ممالک میں عربی زبان وادب سے بُعد، مغربی لسانیات و ثقافت کے غلبہ اور بد عملی کے فروغ کے رجحانات کے تناظر میں ضرورت ہے کہ آپ ایسے نابغہ روزگار مفکر و محقق، ادیب و دانشور اور داعی و مصلح کے فکر و آثار کو رائج و شائع کیا جائے۔



## المراجع

زیر نظر مضمون کی تیاری میں مولانا سید ابوالحسن ندوی کی درج ذیل کتب سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے:

- ۱- سید ابوالحسن علی الندوی: العرب والاسلام، منشورات المکتب الاسلامی، بیروت۔
- ۲- سید ابوالحسن علی الندوی: القراة الراشدة ودارالعلوم التابعدعوة العلماء، لکھنؤ، الہند۔
- ۳- سید ابوالحسن علی الندوی: رجال الفکر والدعوة فی الاسلام، دارالعلم، کویت۔
- ۴- سید ابوالحسن علی الندوی: مذکرات ساحح فی الشرق العربی، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت
- ۵- سید ابوالحسن علی الندوی: ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۶- سید ابوالحسن علی الندوی: المسلمون فی الہند مکتبہ دارالفتح، دمشق۔
- ۷- سید ابوالحسن علی الندوی: روائع اقبال مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۸- سید ابوالحسن علی الندوی: نظرات فی الادب العربی، مجلس نشریات کراچی، پاکستان
- ۹- سید ابوالحسن علی الندوی: نظرة عابرة تاریخ الدعوة الاسلامیة فی الہند پاکستان، دارالاشاد، بیروت۔
- ۱۰- سید ابوالحسن علی الندوی: کاروان زندگی، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۱- سید ابوالحسن علی الندوی: حیات عبدالحی، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۲- سید ابوالحسن علی الندوی: عالم عربی کا المیہ مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۳- سید ابوالحسن علی الندوی: مولانا محمد الیاس اور انکی دینی خدمات، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۴- سید ابوالحسن علی الندوی: تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۵- سید ابوالحسن علی الندوی: اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۶- سید ابوالحسن علی الندوی: تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔
- ۱۷- سید ابوالحسن علی الندوی: سوانح سید احمد شہید، مجلس نشریات کراچی، پاکستان۔